© rasailojaraid.com

مراسلات

کیا انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے؟

تدبّر فی القرآن؟

شاہ فاروق ہاشمی صاحب کندیاں ضلع خوشاب سے لکھتے ہیں:

محترم کیلانی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"بندہ محدث کا ایک پرانا قاری ہے۔ اس سے قبل جناب سے "مسئلہ سماع موتٰی" پر خط وکتابت محدث میں سوال وجواب کی صورت میں شائع ہو چکی ہے ـــــ اب دوبارہ زحمت دے رہا ہوں، امید ہے آپ درج ذیل سوالات کے جوابات کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے:

۱۔ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ (مطابق جولائی ۱۹۸۲ء) کے محدث میں آپ نے "قرآن میں حکم (حاکمیت) کے تصور" کے تحت بحوالہ فتاوٰی کبرٰی (ابن تیمیہؒ) لکھا ہے کہ:

مَنِ اعْتَقَدَ اَنَّ الْاِنْسَانَ خَلِیْفَةٌ لِلّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ!"

اسی مضمون کا دوسرا جملہ یوں ہے کہ:

"مَنْ جَعَلَ لِلّٰهِ خَلِیْفَةً فَهُوَ مُشْرِكٌ بِاللّٰهِ"

حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے بارے میں فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً!" (البقرۃ: ۳۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ" (صٓ: ۲۶)

اور سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے یہ وعدہ فرمایا کہ:

"لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ!" (نور: ۵۵)

—— تو درج بالا حوالہ جات اور ان آیاتِ قرآنی میں تطبیق کیسے ہوگی:

۲۔ قرآنِ مجید میں اللہ رب العزت نے تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے (اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ —— الاٰیۃ!)

—— اسی طرح اولوا الالباب (عقل والوں) کی قرآنِ مجید میں تعریف کی گئی ہے۔ اور جو لوگ عقل و خرد سے کام نہیں لیتے، انہیں "کَالْاَنْعَامِ —— صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ!" —— ایسے ناموں سے یاد کیا گیا ہے —— لیکن ساتھ ہی قرآنِ مجید کے بارے میں یہ پابندی بھی ہے کہ:

"مَنْ قَالَ بِرَاْیِهٖ فِی الْقُرْاٰنِ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"

—— آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک اور ارشادِ باری تعالیٰ "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" کا کیا مطلب ہوگا —— جبکہ قرآنِ مجید بھی من جانب اللہ ہے اور عقل و شعور بھی اسی کے عطا کردہ؟ —— اور ایک حدیث بھی ہے کہ:

"اَلْعَقْلُ نُوْرُ اللّٰهِ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ!" (ملخصًا)

شاہ فاروق ہاشمی صاحب کا یہ مراسلہ طویل ہے اور انہوں نے اس میں مذکورہ دو سوالوں کے علاوہ پانچ مزید سوالات بھی اٹھائے ہیں —— یہ مراسلہ اگرچہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کے نام ہے لیکن چونکہ پہلے سوال (خلافتِ انسانی) کا تعلق مدیر محدث حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے ایک مقالہ "قرآن میں حکم (حاکمیت) کا تصور" سے ہے، لہٰذا مندرجہ بالا دو سوالوں کے جوابات مدیر محدث کی طرف سے ہدیۂ قارئین ہیں —— بقیہ سوالات کے جوابات مولانا عبدالرحمٰن کیلانی آئندہ اشاعت میں دیں گے۔ ان شاء اللہ!

(ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ خلافتِ انسانی:

خلیفہ کا ماخذ خِلْفَۃٌ ہے۔ جس کے معنی درختوں کے وہ پتے ہیں جو پہلے پتوں کے گرنے کے بعد اگتے ہیں۔ امام رازی نے خلافت کے معنی نیابت کے کیے ہیں اور اس کے چار استعمال بتائے ہیں۔ اصل کی غیر حاضری یا موت یا عجز کے سبب سے اس کی جانشینی اور چوتھی صورت شرف دینے کے لیے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی نیابت اور جانشینی کے تصور ہی سے اسلام میں شرک اور کفر کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ کیونکہ نیابت اگر غیر حاضری کی وجہ سے ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے بری ہیں۔ اسی طرح موت کا تصور بھی ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے کسی مسلمان کے نزدیک محال ہے کہ وہ حَیٌّ قَیُّوْمٌ ہیں، جسے نیند آتی ہے نہ اونگھ!۔۔۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ" (الرحمٰن: ۲۶-۲۷)

کہ "روئے زمین پر ہر ایک کو موت ہے، صرف اللہ ذوالجلال والاکرام کا چہرہ باقی رہے گا!"

نیز فرمایا:

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" (البقرۃ: ۲۵۵)

کہ "اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند!"

——— اسی طرح عاجزی کا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں در نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

"اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ!" (الانفال: ۵۹) کہ "وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے!"

یہ تینوں معنیٰ خلافت کے، امام رازیؒ نے اپنی کتاب المفردات میں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا استعمال ناجائز بتلایا ہے۔ البتہ چوتھے تشریف (شرف دینے) کے معنوں میں اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ، روح اللہ وغیرہ الفاظ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریفاً کی گئی ہے۔ تاہم قرآنِ مجید میں ان تینوں الفاظ کی اضافت تو اللہ تعالیٰ کی طرف ملتی ہے، جبکہ خلافت کی اضافت کسی قرآنی آیت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ملتی۔ اور جملہ صحیح احادیث بھی ایسی اضافت سے خالی ہیں۔ صرف بعض ضعیف احادیث میں "خلیفۃ اللہ المہدی" کا ذکر آیا ہے۔ تاہم اضافتِ تشریفی میں خلافتِ حقیقی مراد نہیں ہوتی بلکہ صرف شرف کے لحاظ کے لیے اس کو اللہ کی طرف نسبت کر دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ بیت اور ناقۃ اللہ کے رہنے اور سواری کے لیے مراد نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر روح اللہ کے حقیقی معنے عیسائیوں نے مراد لیے ہیں تو وہ شرکِ عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں لہٰذا اگر خلیفہ کی اضافت کسی ضعیف حدیث میں اللہ کی طرف ملتی ہے تو اس سے اللہ کی حقیقی خلافت مراد نہیں بلکہ اس سے خلیفہ کا یہ شرف بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت کرے گا۔ چنانچہ دیگر حکمرانوں سے ممتاز ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس کا ایک خاص تعلق ہو گا۔

امام رازیؒ کی اس تعبیر سے جدید دور کے بعض مفسرین نے بڑا دھوکا کھایا ہے۔ امام صاحب تو تشریف کا لفظ بیان کر کے یہ بتلا رہے ہیں کہ یہاں حقیقت مراد نہیں بلکہ شرف دینے کے لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جا سکتی ہے۔ جبکہ یہ لوگ اسے حقیقی معنوں میں لے کر بطورِ سند امام رازی کو پیش کر رہے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے خلیفۃ اللہ کے مفہوم کی اسی سنگینی کا اندازہ کر کے ہی اس پر شرک و کفر کا بڑا سنگین فتویٰ صادر کیا ہے۔ کیونکہ اس سے کم از کم اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا جزوی طور پر کسی انسان کو تفویض ہونا لازم آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی وصف اگر جزوی طور پر بھی انسان میں تفویض ہونا مان لیا جائے تو اس سے "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" کے ارشاد کی نفی ہوتی ہے، اور جزوی طور پر انسان کی اللہ تعالیٰ سے تشبیہ لازم آتی ہے جو مشبہہ گمراہ فرقہ کا موقف ہے!

قرآنِ کریم میں "رؤف رحیم" وغیرہ ایسے الفاظ سے مشبہہ نے دلیل پکڑی ہے علمائے سلف نے اس کا "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" سے جواب دیا ہے کہ جیسے سمع و بصر اللہ کے علاوہ انسانوں کے لیے بھی ہیں، لیکن انسانوں کی سمع و بصر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سمع و بصر کی حقیقت سے الگ ہے، اسی طرح کسی انسان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رؤوف و رحیم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس میں اللہ کی یہ صفت پائی جاتی ہے۔ بلکہ اللہ کا رؤوف و رحیم ہونا اس معنی میں ہے کہ جیسے اس کی ذات کے لائق ہے۔

لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سے کسی کل یا جزء کا انسان میں موجود ہونا یا اللہ کا تفویض کرنا مانتا ہے، ابن تیمیہؒ کے نزدیک وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے ـــ پھر کیا یہ بات انتہائی باعثِ تعجب نہیں کہ آج کا اکثر جدید تعلیمیافتہ اسلام پسند طبقہ انسانی اختیار کو بڑی جرأت سے اللہ کے اختیارات کا جزء سمجھتے ہوئے، انسانی اختیارات کو مفوّضہ اختیارات قرار دیتا ہے اور اس طرح انسان کو اللہ کا خلیفہ بناتا ہے؟ گویا اللہ کا اختیار، جو اللہ کی صفت ہے، انسانی اختیار اس کا جزء قرار پاکر انسانی وجود میں در آیا اور اس طرح انسان اللہ کے اختیار کی صفت کا شریک ٹھہرا۔

بظاہر یہ بات ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن گہرائی میں جاکر اگر دیکھا جائے تو یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے! ـــ اگر کوئی شخص اس مغالطہ میں ہے کہ "کچھ اختیار انسان کو بھی تو ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی اختیار، اللہ کے اختیار کا حصہ یا اللہ تعالیٰ کا مفوّضہ اختیار نہیں ہے۔ بلکہ انسانی اختیار اللہ کی تخلیق ہے۔ جیسے انسانی روح، اللہ کی تخلیق ہے، اللہ کی رُوح کا جزء نہیں! ـــ یہی وُہ فرق ہے جو مسلمان، عیسیٰؑ کو روح اللہ مان کر بھی عیسائی عقیدہ سے الگ رہتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے نزدیک انسانی 'رُوح' اللہ کی مخلوق ہے۔ ہاں عیسیٰؑ کو "روح اللہ" تشریفاً کہا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی تخلیق عام انسانی تخلیق سے مختلف انداز میں ہوئی ہے جو ان کے لیے شرفِ خاص ہے۔ جبکہ عیسائیوں کے ہاں عیسیٰؑ کی رُوح، اللہ کی روح کا حصہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض ہندوستانی علماء، صوفیانہ طرزِ فکر کے تحت ابن عربی سے متاثر ہوئے۔ لہٰذا کبھی وُہ انسان کو وجودِ اکبر کا وجودِ اصغر یا عالمِ اکبر کا عالمِ اصغر قرار دے کر انسان کو اللہ کا خلیفہ بناتے رہے ہے۔ اور بعض نے صوفیاء کے روحانی ارتقاء[1]

---

[1] ڈاکٹر اقبال کا فلسفۂ خودی اسی کی بازگشت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فلسفہ سے انسانی رُوح کی بالیدگی کی صورت میں اسے اللہ کا خلیفہ قرار دیا جس کی رُو سے انبیاءؑ، اولیاء اور صلحاءؒ اللہ کی خلافت کے منصب پر قائم بتائے جاتے رہے۔ یہ دونوں نظریے کتاب و سنّت کے خلاف ہیں۔ اور نہ صرف ابن تیمیہؒ کے نزدیک، بلکہ جملہ علمائے سلف کے ہاں جو شخص انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے کا عقیدہ رکھے وُہ فاسق و فاجر ہے۔

(دیکھیے الاحکام السلطانیہ الماوردی ص ۱۵)

لہٰذا مولانا مودودیؒ یا بعض دیگر علماء کا یہ بیان کہ:

"خلیفہ وُہ ہے جو کسی کی مِلک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات، اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے! خلیفہ مالک نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ وُہ اپنے منشاء کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا، بلکہ اس کا کام مالک کے منشاء کو پورا کرنا ہوتا ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۱ حاشیہ ۳۸)

ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ انسان اللہ کے حکم کا پابند (خواہ وُہ شہری ہو یا حاکم) اس وجہ سے نہیں کہ اس کے اختیارات اصل مالک کے تفویض کردہ ہیں اور وہ اس کا نائب ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انسان چونکہ عبد ہے اور اللہ اس کا معبود! — یا اللہ خالق ہے اور وُہ اس کی مخلوق، لہٰذا مخلوق ہونے کی حیثیت سے اسے عبد ہونا چاہیے۔ جبکہ عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ وُہ اپنی ذات کے اندر اپنے خالق و معبود کے پیدا کردہ اختیارات کو اس کے احکامات کے مطابق استعمال کرے۔ پس انسان کی یہ ذمہ داری اس کے بندہ ہونے کی حیثیت سے ہے نہ کہ نائب ہونے کی حیثیت سے!

اس فرق کو ایک دوسرے طریقہ سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح خالق اور مخلوق، یا عابد اور معبود کی دو الگ الگ جہتیں ہیں، اسی طرح حاکم اور محکوم کی بھی دو الگ جہتیں ہیں۔ اللہ کی شریعت کا پابند ہو کر انسان محکوم کی جہت میں ہے، حاکم یا اس کے نائب کی جہت میں نہیں! — نائب اگر حاکم کے

© rasailojaraid.com

تفویض کردہ اختیارات استعمال کرتا ہے تو وہ حاکم کی جہت میں ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ حاکم کے اختیاراتِ کلی یا جزئی کا حامل ہو کر حاکم کا شریک کہا جا سکتا ہے لیکن انسان اللہ کا شریک نہیں! —— پس اس نقطہ نظر سے بھی انسان اللہ کا خلیفہ نہیں بن سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنّت میں خلیفہ کی نسبت اور اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی جو مغالطے کا سبب بن سکتی تھی۔ جبکہ بیت اللہ، ناقۃ اللہ اور روح اللہ کی تشریفی نسبتیں کتاب و سنّت میں موجود ہیں!

سائل (ہاشمی صاحب) نے قرآنِ مجید سے جو حضرت آدمؑ کے بارے میں "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً"، کا اشکال پیش کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ میں کہیں بھی حضرت آدمؑ کا ذکر نہیں۔ اسی طرح خلیفہ کی اضافت بھی اللہ کی طرف نہیں بلکہ آیت میں لفظِ "خلیفہ" بغیر اضافت کے مطلق استعمال ہوا ہے۔

پھر دوسری بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ اگر یہاں خلیفہ سے صرف حضرت آدمؑ مراد لیے جائیں تو فرشتوں کا فساد فی الارض اور خون بہانے (قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ) کا سوال آدمؑ پر وارد ہوگا، جو غلط ہے۔ کیونکہ یہ سوال اولادِ آدم پر ہے۔ لہٰذا یہ آیت صرف حضرت آدمؑ کے بارے میں نہیں، بلکہ آدمی کے بارے میں ہے یعنی بنی نوعِ انسان کے لیے!

تیسری غلطی جو عام پڑھے لکھے لوگوں کے علاوہ بعض جدید مفکّرین سے بھی ہوئی ہے، وہ لفظ "جَاعِلٌ"، کے فہم میں ہے۔ عربی زبان میں "جعل" دو معنوں میں مستعمل ہے:

(۱) جعل بسیط (۲) جعل مرکّب

جعل بسیط، جس کا ایک مفعول ہوتا ہے، "انشاء اور تخلیق" کے معنے دیتا ہے، جبکہ جعل مرکّب، جس کے دو مفعول ہوتے ہیں، "تصییر" یعنی "کسی کو کچھ کر دینے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اب اگر اس آیت کے

© rasailojaraid.com

یہ معنی ہوں کہ میں زمین میں آدمؑ کو خلیفہ کرنے والا ہوں تو یہ جعل مرکب ہوگا۔ حالانکہ یہاں آدمؑ کا ذکر نہیں، بلکہ ایک مفعول (خلیفہ) کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ جعل بسیط ہے، جس کے معنے تخلیق کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کر رہا ہوں! —— لفظِ خلیفہ ہی نے فرشتوں کو اس سوال کا موقع دیا کہ ایسی مخلوق جس میں خلافت کا سلسلہ قائم ہوگا —— یعنی اللہ تعالیٰ ایک قوم کو زمین میں آباد کریں گے اور اسے اپنی نعمتوں سے پوری طرح فیض یاب فرمائیں گے۔ پھر ان کے شکر یا ناشکری کی بناء پر ان پر اللہ کی حجت پوری ہوگی، تو دوسری قوم، جیسے کسی درخت کے پہلے پتے جھڑ کر، نئے پتے ان کی جگہ لے لیتے ہیں، ان کی جگہ انکا خلیفہ بنے گی، اور یہ سلسلہ سنت اللہ کی صورت میں تا قیامت چلتا رہے گا! —— پھر چونکہ پہلے کی جگہ دوسرے کی خلافت کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ مختلف قوموں کے درمیان "تمکن فی الارض" کے لیے کشمکش چلے، جو "فساد فی الارض اور خون بہانے" پر منتج ہو، اس لیے فرشتوں کے اس سوال کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس خرابی کی موجودگی میں انسان کی تخلیق کی حکمت کیا ہے؟ —— ورنہ صرف آدمؑ کے بارے میں فرشتوں کے اس سوال کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی!

اسی طرح سائل کا حضرت داؤدؑ کے بارے میں یہ استدلال کہ اللہ نے انہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا، صحیح نہیں۔ کیونکہ داؤدؑ سے قبل حضرت شموئیلؑ (یا شمعون) نبی تھے، اور طالوت بادشاہ! —— دونوں کی وفات کے بعد حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی خلافت (نبوّت اور بادشاہی) ملی۔ لہٰذا آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل پر نبوتوں اور بادشاہتوں کا ذکر اللہ رب العزت نے یوں فرمایا:

"وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا"

(المائدۃ: ۲۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا" "اے میری قوم، اپنے اوپر اللہ کی وہ نعمت یاد کرو، جب اللہ نے تم میں اپنے انبیاءؑ پیدا کیے اور تم کو بادشاہ بنایا۔"

دین و دنیا کی یہ عظیم نعمتیں بنی اسرائیل کو علیحدہ علیحدہ بھی دی گئیں اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ میں ان دونوں نعمتوں کو اکٹھا بھی کر دیا۔ لہٰذا داؤدؑ نبوت میں شموئیلؑ کے خلیفہ ہیں جبکہ حکومت میں طالوت کے! —— پس یہ اشکال بھی دور ہوا!

اسی طرح سورۂ نور میں مومنوں سے خلافت فی الارض کا جو وعدہ فرمایا، تو یہ خلافت پہلے لوگوں کی نیابت اور جانشینی ہے۔ ورنہ انسان کو "خلیفۃ اللہ" قرار دینے والوں کے ہاں اقتدار و حکومت کے بغیر بھی جب انسان خلیفۃ اللہ ہے تو پھر مومنوں سے یہ وعدہ چہ معنی دارد؟ —— یعنی "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کا معنی اگر یہ کر لیا جائے کہ "بنی نوعِ انسان کو خلیفہ بنا رہا ہوں" تو جن کو تمکن فی الارض حاصل ہے، وہ بھی خلیفہ ہیں —— اور جن کو حاصل نہیں وہ بھی خلیفہ! —— اس صورت میں نئے وعدہ کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے؟

—— یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودی کو تفہیم القرآن میں اپنی دونوں تفسیروں میں تعارض کی مشکل پیش آئی۔ کیونکہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں آپ جنسِ آدم کو خلیفہ قرار دے چکے تھے اور سورۂ نور کی آیت میں خلافت کا یہ وعدہ صرف مومنوں سے تھا، جو گویا انہیں جنسِ آدم کی حیثیت سے حاصل نہیں تھا! لہٰذا مولانا مرحوم کی عبارت، انشائی دسترس کے باوجود اس مشکل کا حل اور اس تعارض کا ازالہ نہ کر سکی!

قرآن مجید میں اللہ کی امانت سے روح کی بالیدگی کا جو تصور صوفیاء نے کشید کرنے کی کوشش کی تھی، بعد میں وہ اللہ کی خلافت کے نظریہ پر ملتج ہوا! —— اسی طرح مولانا مودودی مرحوم نے لفظِ امانت سے انسانی اختیار کا جو نظریہ اخذ کیا تھا، وہی بعد میں خلیفۃ اللہ کی صورت میں سامنے آیا۔ پھر چونکہ مولانا کا فکری میدان انہیں سیاست کی وادیوں میں کھینچ لایا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے انہوں نے خلافت کو ایک سیاسی مفہوم دے کر الٰہی جمہوریت (THEO DEMOCRACY) یا مقبول خلافت (POPULAR VICEGERENCY) کا سیاسی فلسفہ پیش کر دیا۔ اور چونکہ اس نظریہ سے وہ صالحین کو اللہ کی خلافت پر فائز کرنے کی تحریک کے علمبردار بنے۔ لہٰذا انہوں نے خلافت کو صرف ان حکمرانوں کے لیے مخصوص کر دیا جو شریعت کا نفاذ کریں۔ حالانکہ ان کے فلسفے کی رُو سے شریعت کا نفاذ یا عدمِ نفاذ خلافت کے مفہوم میں داخل نہیں، بلکہ انسان کا مختار ہونا (اللہ کے مفوّضہ فطری اختیار کا حامل ہونا) خلافت کے لیے کافی ہے۔ جو جنسِ آدم کو پہلے سے حاصل ہے!

مولانا مرحوم کے یہ سیاسی نظریات ان کی جماعت کے لیے اب اسلام کی واحد ترقی پسندانہ تعبیر اور مسلمانوں کے جملہ مسائل کا حل سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ دُوسری کسی بھی تعبیر کو فوری طور پر غیر اسلامی قرار دے دیتے ہیں۔ حالانکہ جملہ سلفِ صالحین اور ان کے خلیفہ امام ابن تیمیہؒ خلیفۃ اللہ کے اس تصوّر کو کفر و شرک اور فسق و فجور قرار دیتے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تفسیر بالرائے سے بچائے اور سلف صالحین کی نہج پر قرآنِ مجید کو سمجھنے سمجھانے کی توفیق ارزانی فرمائے ——— آمین!

۲۔ تدبّرِ قرآن:

قرآنِ پاک میں نہ صرف عقل کے استعمال پر زور دیا گیا ہے بلکہ جملہ انسانی قوائے اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی ترغیب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان اللہ کے حکم کے مطابق اپنی جملہ صلاحیتیں نیکی کے راستے پر چلنے اور بدی کے راستے سے بچنے میں صرف کرے۔

عقل انسان کی ایک اشرف ترین قوّت ہے۔ جب انسان اس قوّت کو فہمِ دین میں استعمال نہیں کرتا تو گویا وُہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا" (الفرقان : ۷۳)

"اور (مومن) لوگ جب اپنے رب کی نشانیاں یاد دلائے جاتے ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے !"

اس آیت میں مومنوں سے قرآنی آیات کے روبرو تقلید کی روش سے بچنے اور عقل و فکر کے تدبر پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ہر بات دلیل کی بنیاد پر کرتا ہے۔ البتہ بعض چیزوں پر ایمان بالغیب کی دعوت بھی دیتا ہے۔ چونکہ اللہ رب العالمین، انسانی تخلیق و تدبیر اپنے لامحدود علم سے کرتے ہیں اور اللہ رب العزت کے حکم سے ہر چیز پر ایمان لانا بھی ایک بہت بڑی دلیل ہے، لہٰذا ایمان بالغیب اندھا ایمان (BLIND FAITH) نہیں، بلکہ انسانی عقل کے لیے یہ ایک تلقین ہے کہ جس ذات باری نے اس پوری کائنات کی تخلیق و تدبیر کی ذمہ داری اٹھائی ہے اور عملاً ایک ذرہ بھی اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں، اسے ہر چیز کا علم ہونا چاہیے۔ اسی بات کو اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں کہیں سوالیہ انداز میں ذکر فرمایا اور کہیں جزم کے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً :

"اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ" (الملک : ۱۴)

"کیا جس نے تخلیق فرمائی ہے، وہ بے علم ہے ؟ ــــــ (ہرگز نہیں!) وہ تو باریک بین اور خبردار ہے !"

نیز فرمایا :

"وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ !" (البقرۃ : ۲۹)

"اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم و بصیرت رکھتے ہیں !"

اسلامی دانشوروں نے وحی الٰہی اور عقل کے تعلق کی مثال یوں دی ہے کہ عقل اس طرح بصیرت ہے جیسے آنکھ کی بصارت ! لیکن جیسے آنکھ تیز ہونے کے باوجود، اگر سورج غروب ہونے کی بناء پر اندھیرا چھایا ہو تو آنکھ کچھ نہیں دیکھ سکتی، اسی طرح بصیرت کتنی بھی عمدہ کیوں نہ ہو، نورِ وحی کے بغیر راہِ حق سے بھٹک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتی ہے۔ اس لیے کہ بصیرت کے درست اور عمدہ ہونے کی ضمانت بھی صرف وحی الٰہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وحی الٰہی کے بغیر یہ فیصلہ بھی ممکن نہیں کہ بصیرت نے درست سمت میں کام کیا ہے یا غلط سمت میں، لہٰذا عقل کی جولانگاہ وحی الٰہی کی حدود میں ہونی چاہیے!

قدیم معتزلہ اور جدید عقل پرست (RATIONALIST) مسلمان عقل و تدبر کے نام پر وحی الٰہی سے آزادی چاہتے ہیں یا وحی الٰہی کو من مانی تعبیر کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے دین کے نام پر انہوں نے رائے کو فروغ دیا ہے اور دے رہے ہیں —— بالخصوص "تدبر" کے نام پر قرآنِ مجید کو بازیچۂ اطفال بنا کر رکھ دیا ہے! —— رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی انہی لوگوں کے بارے میں ہے کہ:

"مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"

"جو شخص قرآنِ مجید کا مفہوم اپنی رائے سے بیان کرے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے!"

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ سے تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال میں مکمل فرمایا۔ تاکہ قرآنِ مجید کی نصیحت اور اس کا مطلب لوگوں میں رسوخِ ایمانی اور تسکینِ قلبی کا باعث ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں:

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا"

(الفرقان: ۳۲)

"کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (حضرتِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر قرآنِ مجید یکبارگی کیوں نہیں نازل کر دیا گیا؟ —— یہ اس لیے ہوا کہ ہم (اے نبیؐ) آپ کے دل کو ثابت رکھیں اور ہم نے اس قرآن کو اسی لیے) ترتیل سے پڑھا ہے!"

آیتِ کریمہ میں قرآنِ مجید کے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وقفوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقفوں سے موقع و محل کے مطابق اتارنے کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ کسی بات کے افہام و تفہیم میں ضرورتوں کا پیش آنا اور موقع و محل کی مناسبت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے ایسے مواقع پر ضرورت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ جواب باصواب، اطمینانِ قلب کا باعث ہوتا ہے اور یوں اس کی حفاظت بھی آسان اور مستقل ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید کے مفاہیم و مطالب کو حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت و سیرت کی روشنی میں پڑھنے اور سمجھنے سے یہی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سنّت کے بغیر قرآنِ مجید کو عقل کے پیمانوں سے ناپتے ہیں وہ علمی فتنوں اور آخرت میں عذابِ الیم سے نہیں بچ سکتے! ــــ فرمایا اللہ رب العزت نے:

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (النور: ۶۳)

"جو لوگ رسول اللہ کے امر (سنّت) سے الگ رہتے ہیں، انہیں فتنہ سے ڈر جانا چاہیے یا پھر ان کو عذابِ الیم کا سامنا ہوگا!"

آپؐ کے امر سے الگ رہنے سے مراد، ظاہر ہے، آپؐ کی سنّت سے بے اعتنائی ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کو نصوصِ حدیث سے سمجھنا ہی صحیح اور محفوظ راستہ ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید اور سنّتِ رسولؐ دونوں کا تعلق الفاظ و تبیین کا تعلق ہے۔ گویا ایک متن ہے اور دوسری اس کی شرح! ــــ اگر قرآنِ مجید کے صرف الفاظ ہماری ہدایت کے لیے کافی ہوتے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو براہِ راست مخاطب فرماتے یا سِلی سلائی کتاب کی صورت میں قرآنِ مجید لوگوں کو دے سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کو ایسا لازم و ملزوم کیا کہ آپؐ کے بغیر عام انسان یہ بھی یقین نہیں کر سکتا کہ قرآنِ مجید واقعی اللہ کی کتاب ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید کو کتاب اللہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق کی بناء پر ہی کہا جاتا ہے۔ ورنہ اگر آپؐ کا قول و فعل حجت تسلیم نہ کیا جائے تو قرآنِ مجید اللہ کا کلام کیسے؟ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی ہمارے پاس کیا گارنٹی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی رائے کی بجائے ثابت شدہ احادیث و آثار کی روشنی میں کرنی چاہیے! ـــــ یہاں ایک نکتہ ملحوظِ خاطر رہے کہ قرآنِ مجید کی تفسیر سے مقصود قرآنِ مجید سے استفادہ ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید جو دستورِ زندگی ہے اور کتابِ ہدایت بھی، اس میں علم و فکر کی جولانیاں اسی مقصد سے ہونی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کو سامنے رکھ کر سائنسی اکتشافات یا مابعد الطبیعات کی کیفیتیں بیان کرنا شروع کرے گا تو وہ قرآنِ مجید کو اس کے اصل مقصود سے دُور لے جائے گا ـــــ اس طرح وہ اپنے علم و بصیرت کو اس میدان میں استعمال کرے گا جو اس کی عقل سے بالا ہے ـــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ!" (الاسراء: ۳۶)

"تُو اس چیز کے پیچھے نہ جا، جس کے ساتھ تیرے لیے علمی رسائی نہیں ہے!"

یہی وجہ ہے کہ غیبی امور سے متعلقہ آیات کو علمائے سلف نے متشابہات سے شمار کیا ہے تاکہ جو شخص ان کی کیفیتوں میں پڑے وہ قرآنِ مجید کی اس تہدید سے خبردار ہو جائے:

"فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ـــــ الآیۃ!" (آل عمران: ۷)

"جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ فتنے اور ہیر پھیر کی تلاش میں متشابہ آیات کے پیچھے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی حقیقت سے اللہ ہی واقف ہیں اور علمی رسوخ والے لوگ کہتے ہیں، ہم ان کے ساتھ ایمان (بالغیب) لائے۔ سب ہمارے پروردگار کے پاس سے ہے!"

عصرِ حاضر کے ترقی پسند مفسرین تدبرِ قرآن اور فلسفۂ قرآنی کے زعم سے تفسیرِ قرآن میں سنت سے بہت کم استفادہ کرتے ہیں اور حکمتِ قرآنی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعویٰ سے قرآنِ مجید کو سائنسی ایجادات اور نفسیات کے لیے بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ پھر سنّت و سیرتِ رسولؐ کو نہ صرف اس میدان کے لیے ناقص بتلاتے ہیں بلکہ جدید معاشروں اور اقتصادی و سیاسی نظاموں کے لیے بھی اسے ناکافی قرار دیتے ہیں۔ اسی بناء پر اسلام کی تعبیرِ نو کے متلاشی ہیں اور ایسی نام نہاد حکمتِ قرآنی کے لیے لاطائل تگ و دو میں مصروف ہیں۔ لہٰذا دورِ حاضر میں کتاب و سنّت کی حدود میں عقلی تگ و تاز اور دیگر انسانی قویٰ کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ تعبیرِ سنّت کی پابندی اور کمالِ رسالت کا اعتراف خصوصی توجہ کا حامل ہونا چاہیے۔ تاکہ دین کی تعبیرِ نو کے ذریعے دین و شریعت کی تبدیلی کے فتنہ سے بچا جا سکے۔

پس تفسیر بالرائے کی مذمت کے سلسلہ میں وارد شدہ فرمانِ رسولؐ اور علمائے سلف کی احتیاط ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے!

سائل نے "اَلْعَقْلُ نُوْرُ اللّٰہِ یُفَرِّقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ" جو حدیث بیان کی ہے، یہ بناوٹی ہے —— مستند ارشاداتِ رسولؐ میں ثابت نہیں ہے!

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

(مدیر)

ردِّ تقلید اور حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے پر

حجیّتِ حدیث

شیخ ناصر الدین البانی کی مایہ ناز کتاب

ضخامت	ترجمہ	قیمت
۸۰ صفحات	حافظ عبدالرشید اظہر	۹ روپے صرف

ناشر — ادارہ محدث ۹۹ جے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴

© rasailojaraid.com